جملہ حقوق بحق مرکزی انجمن خدام القرآن اور دین حق ٹرسٹ محفوظ ہیں!

مذکورہ بالا دونوں ادارے ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی کتابوں، تحریروں اور اقتباسات کے ضمن میں اجازت دیتے ہیں کہ کوئی شخص یا پبلیشر اگر ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے علمی مواد کو شائع کرنا چاہتا ہے تو وہ اشاعت سے قبل چند ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے، قیمتاً فروخت کرنے یا مفت تقسیم کرنے کے لیے، تحریری اجازت بلا معاوضہ مذکورہ بالا دونوں اداروں میں سے کسی ایک سے ضرور حاصل کر لے۔ اگر کوئی فرد پبلیشر معیّن کردہ ضوابط کی خلاف ورزی کرے گا تو اُس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

نام کتاب ..... قرآن حکیم اور جہاد فی سبیل اللہ

اشاعت اوّل (فروری 2022ء) 5000

ناشر ..... شعبہ تعلیم و تربیت تنظیم اسلامی

مقامِ اشاعت ..... دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی ملتان روڈ لاہور

ناشر ..... شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور

email: markaz@tanzeem.org
website: www.tanzeem.org

واقعہ یہ ہے کہ ''بَدءُ الاسلام'' میں دین کی اصل اساسی اور بنیادی حقیقتیں دو ہی تھیں ------ ایک قرآنِ حکیم جسے نبی اکرم ﷺ کی انقلابی جدّ و جُہد کے ضمن میں ''آلۂ انقلاب'' کی حیثیت حاصل ہے۔ بقول مولانا حالیؔ ؎

اُتر کر حرا سے سُوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا[1] ساتھ لایا

اور دوسرے جہاد فی سبیل اللہ، جو جامع عنوان ہے آپ ﷺ کی اس جدّ و جُہد کے مختلف مدارج و مراحل کا۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن مجید ہی کی گرج اور کڑک تھی جس نے نیند کے ماتوں[2] کو جگایا اور خوابِ خرگوش کے مزے لوٹنے والوں کو بیدار کیا۔ چنانچہ

﴿وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ②﴾

''زمانے کی قسم ہے۔ یقیناً انسان خسارے میں ہے۔''

اور ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ①﴾

''لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت قریب آچکا ہے، لیکن وہ غفلت میں پڑے اعراض کیے جارہے ہیں۔'' (سورۃ الانبیاء)

کی چونکا دینے والی صدائیں اور

﴿اَلْقَارِعَةُ ① مَا الْقَارِعَةُ ② وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ③﴾

''وہ کھٹکھٹانے والی۔ کیا ہے وہ کھٹکھٹانے والی! اور تم کیا سمجھے کہ کیا ہے وہ کھٹکھٹانے والی!'' (سورۃ القارعہ)

اور ﴿اَلْحَآقَّةُ ① مَا الْحَآقَّةُ ② وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ③﴾

''وہ حق ہو جانے والی! کیا ہے وہ حق ہو جانے والی؟ اور تم نے کیا سمجھا کہ وہ حق ہونے والی کیا ہے؟'' (سورۃ الحاقہ)

---

(۱) ادنیٰ کو اعلیٰ بنانے والا نسخہ (۲) نیند سے مغلوب لوگ

کی بیدار کن ندائیں ہی تھیں جنہوں نے پورے عرب میں ہلچل مچادی اور

﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ② الَّذِیْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ③﴾ (سورۃ النبا)

''کس چیز کے بارے میں یہ لوگ آپس میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ اُس بڑی خبر کے بارے میں۔ جس کے بارے میں یہ اختلافِ رائے میں مبتلا ہو گئے ہیں۔''

کی کیفیت پیدا کر دی۔ بقول مولانا حالیؔ ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادیؐ[1]
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

پھر ------ اِسی کی آیاتِ بیّنات تھیں جنہوں نے

﴿هُوَ الَّذِیْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾

''وہی تو ہے جو اپنے بندےؐ پر یہ آیات بینات نازل کر رہا ہے تا کہ نکالے تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف۔'' (الحدید:۹)

کے مصداق انسانوں کو شرک، الحاد، مادہ پرستی، حبِ عاجلہ اور حیوانیتِ محضہ کے ﴿ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾[2] ایسے مہیب[3] اور ہولناک اندھیروں سے نکال کر ایمان اور یقین کی روشنی سے بہرہ ور[4] فرمایا۔ چنانچہ وہ ایک طرف عرفانِ الٰہی اور محبّتِ خداوندی سے سرشار یعنی مستِ بادۂ الست[5] ہو گئے اور دوسری طرف دنیا و مافیہا ان کی نگاہوں میں مچھر کے پَر سے بھی حقیر تر ہو گئے اور وہ کلیۃً طالبِ عقبیٰ[6] بن گئے۔

مزید برآں ------ وہی تھا جو ﴿مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾[7] بھی بن کر آیا اور

---

(۱) ہدایت دینے والے (محمدؐ) کی آواز (۲) ''اندھیرے ہی اندھیرے ہیں ایک دوسرے کے اوپر!'' (النور:۴۰) (۳) خوفناک (۴) فائدہ اٹھانے والے (۵) جو روزِ اول سے مست ہو (۶) آخرت کی بھلائی چاہنے والے (۷) ''تمہارے رب کی طرف سے نصیحت''

﴿شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾ (۱) بھی۔ چنانچہ اُسی کے ذریعے لوگوں کا تزکیۂ نفس (۲) بھی ہوا اور تصفیۂ قلب (۳) وتجلیۂ روح (۴) بھی۔ گویا انذار ہو یا تبشیر، تبلیغ ہو یا تذکیر، موعظت ہو یا نصیحت، تعلیم ہو یا تربیت، تزکیہ ہو یا تصفیہ، تجلیہ ہو یا تنویر (۵)، الغرض تطہیر ہو یا تعمیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پورا عمل دعوت و اصلاحِ قرآن مجید ہی کے گرد گھومتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں ایک نہ دو پورے چار مقامات پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہجِ انقلاب کو جن اساسی اصطلاحات کے ذریعے واضح کیا گیا ہے اُن کا اوّل و آخر خود قرآن مجید ہی ہے۔ بفحوائے الفاظِ قرآنی:

﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾

''سناتا ہے انہیں اُس کی آیات اور پاک کرتا ہے اُن کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت۔'' (الجمعہ:۲)

قرآن کا کارنامہ ایک جملے میں بیان کیجیے تو یہ ہے کہ اس نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں ایمان پیدا کر دیا اور توحید، معاد (۶) اور رسالت پر یقینِ محکم کی کیفیت پیدا کر دی۔ لیکن اس سے اُس ہمہ گیر تبدیلی کا اندازہ نہیں ہوتا جو قرآنِ حکیم کے بدولت اُن کی زندگیوں میں برپا ہوگئی تھی اس لیے کہ قرآن نے اُن کا فکر بدلا، سوچ بدلی، نقطۂ نظر بدلا، اَقدار بدلیں، عزائم بدلے، امنگیں بدلیں، شوق بدلے، دل چسپیاں بدلیں، خوف بدلے، اُمیدیں بدلیں، اخلاق بدلے، کردار بدلے، خلوت (۷) بدلی، جلوت (۸) بدلی، انفرادیت بدلی، اجتماعیت بدلی، دن بدلا، رات بدلی، حتیٰ کہ

﴿تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ (ابراھیم:۴۸)

''جس دن زمین بدل دی جائے گی اس زمین کے سوا (کسی اور شکل میں) اور آسمانوں کو (بدل دیا جائے گا)''

کے مصداق آسمان بدلا، زمین بدلی، الغرض پوری کائنات بدل کر رکھ دی، اور اس پوری

---

(۱) ''سینوں کے امراض کے لیے شفاء'' (یونس:۵۷) (۲) نفس کو پاک کرنا (۳) دل کی صفائی (۴) روح میں چمک پیدا کرنا (۵) منور کرنا (۶) آخرت (۷) تنہائی (۸) مجلس

تبدیلی کا ذریعہ اور آلہ ہیں قرآنِ حکیم کی آیاتِ بیّنات! بقول علامہ اقبالؒ:

بندۂ مومن زِ آیاتِ خداست
ایں جہاں اندر بر اُو چوں قباست!
چوں کہن گردد جہانے در برش
می دہد قرآں جہانے دیگرش!

بندۂ مومن آیات خداوندی میں سے ہے اور اس عالم کی حیثیت بس ایسی ہے جیسی اس کے لباس میں ایک قبا۔ جب اس کے لباس کی کوئی قبا یعنی کوئی عالم پرانا ہو جاتا ہے تو قرآن اسے ایک جہانِ نو عطا فرما دیتا ہے۔

تبدیلی اگر حقیقی اور واقعی ہو تو اس کی کوکھ سے لازماً تصادم اور کشمکش جنم لیتے ہیں جن کے مراحل تبدیلی کی نوعیت اور مقدار کی نسبت سے کم و بیش ہو سکتے ہیں۔ ایمان نے جو تبدیلی صحابہ کرامؓ میں پیدا کی، اُس نے جس تصادم اور کشمکش کو جنم دیا، اس کے جملہ مدارج و مراحل کا جامع عنوان ہے ''جہاد فی سبیل اللہ۔''

اس تصادم اور کشمکش کا اوّلین ظہور انسانوں کی اپنی شخصیت کے داخلی میدانِ کارزار میں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ''مجاہدہ مع النفس'' کو ''افضل الجہاد'' قرار دیا گیا(۱)۔ پھر جب ایمان اشخاص کے باطن میں اس طرح راسخ(۲) اور مستولی(۳) ہو گیا کہ ریب اور تشکک کے کانٹے نکل گئے تو اب اُسی جہاد و مجاہدہ کا ظہور عالمِ خارجی میں ظالموں، سرکشوں اور خدا کے باغیوں سے کشمکش اور تصادم کی صورت میں ہوا جس کا مقصد قرار پایا ''تکبیر ربّ''(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اقرار و اعلان اور اس کی حاکمیتِ مطلقہ کا

---

(۱) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «أَفْضَلُ الْجِهَادِ أَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ وَهَوَاكَ فِي ذَاتِ اللهِ تَعَالَى» "افضل جہاد یہ ہے کہ تم اپنے نفس اور اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کا مطیع بنانے کے لیے ان کے خلاف جہاد کرو۔" (سلسلة الاحاديث الصحيحة للالبانی:۱۴۹۶)

(۲) پکّا (۳) مسلط (۴) الفاظِ قرآنی کی رو سے ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳﴾ (المدثر) اور بقول علامہ اقبالؒ:

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل — یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدامست — یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات!

بالفعل قیام ونفاذ تا کہ ''اُس (اللہ تعالیٰ) کی مرضی جیسے آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو''(۱)۔ اور اس کی آخری منزل ہے ''قتال فی سبیل اللہ'' جس کا منتہائے (۲) مقصود معیّن ہوا اِن الفاظ میں کہ:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾

''اور جنگ کرتے رہو ان سے یہاں تک کہ 'فتنہ' بالکل فرو (۳) ہو جائے اور اطاعت کلیۃً اللہ ہی کی ہونے لگے۔'' (الانفال:۳۹)

ایمان ویقین اور جہاد وقتال کا یہی وہ لزومِ باہمی ہے جس کو نہایت واضح اور واشگاف (۴) الفاظ میں بیان کیا گیا قرآنِ حکیم کی اس آیۂ مبارکہ میں:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۱۵﴾ (الحجرات)

''مؤمن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے رسول ﷺ پر، پھر شک میں نہ پڑے اور جہاد کرتے رہے اللہ کی راہ میں اور کھپاتے رہے اس میں اپنے اموال اور اپنی جانیں۔ حقیقت میں یہی ہیں سچے!''

واضح رہے کہ اس آیۂ مبارکہ کے اوّل وآخر حصر کا اسلوب بھی ہے اور آیۂ ماقبل میں ''حقیقی ایمان'' اور ''قانونی اسلام'' کے مابین فرق وامتیاز کا مضمون بھی۔ گویا مؤمن صادق کی جامع (۵) ومانع (۶) تعریف قرآنِ حکیم کی کسی ایک آیت میں مطلوب ہو تو وہ یہی آیت ہے۔

الغرض قرآن کے اصل حاصل ہیں ایمان اور یقین اور ان کا لازمی نتیجہ ہیں جہاد اور قتال۔ ان میں سے ایمان ویقین اصلاً ایک معنوی حقیقت اور داخلی کیفیت کا نام ہیں، چنانچہ عالم خارجی میں اسلام کی دو عظیم ترین اور نمایاں ترین حقیقتیں ہیں قرآن اور جہاد۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں ایمانِ حقیقی کی مستقل علامتوں (symbols) کی حیثیت رکھتے

---

(۱) سیدنا مسیح علیہ السلام کے الفاظ (۲) آخری مقصد (۳) دب جانا (۴) واضح (۵) تمام متعلقہ اجزا پر مشتمل (۶) مناسبت نہ رکھنے والی چیز کا نہ شامل ہونا

ہیں اور مردِ مؤمن کی شخصیت کا جو ہیولیٰ (۱) تخیل اور تصور میں اُبھرتا ہے اُس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لازمی و لابُدی (۲) ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور خلافتِ راشدہ کے دوران اسلام کی ''نشأۃِ اولیٰ'' یا غلبۂ دین حق کا دورِ اوّل بلاشائبہ ریب و شک نتیجہ تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعلق قرآن اور جذبۂ جہاد کا۔ لیکن یہ بھی ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں کہ جیسے ہی اسلام نے ایک مملکت اور سلطنت کی صورت اختیار کی' ان دونوں کی حیثیت ثانوی (۳) ہو کر رہ گئی۔ اور ایسا ہونا ایک حد تک منطقی اور فطری بھی تھا۔ اس لیے کہ ایک طرف تو کسی مملکت یا سلطنت میں اوّلین و اہم ترین مسئلہ شہریت کا ہوتا ہے جو ایک خالص قانونی مسئلہ ہے' جس میں تمام تر بحث انسان کے ''ظاہر'' سے ہوتی ہے' باطن سے کوئی سروکار ہی نہیں ہوتا۔ گویا بقول علّامہ اقبال ع ''بندوں کو گنا کرتے ہیں' تولا نہیں کرتے!'' مزید برآں (۴) اس کا اصل موضوع نظم و نسق اور امن و امان کا ہوتا ہے جس کے اعتبار سے بنیادی اہمیت قانون اور ضابطے کو حاصل ہوتی ہے نہ کہ مکارمِ اخلاق (۵) یا مواعظِ حسنہ کو۔ حتیٰ کہ اس اعتبار سے قصاص (۶) عفو پر مقدّم ہو جاتا ہے۔ اور دوسری طرف سلطنتوں اور مملکتوں کو' خواہ وہ اصولی اور نظریاتی ہی ہوں' اصل سروکار اپنی حفاظت و مدافعت سے ہوتا ہے۔ اصولوں اور نظریات کی تبلیغ و اشاعت ہوتی بھی ہے تو ثانوی درجے میں اور حکومتوں کی مصلحتوں کے تابع رہ کر۔

یہی وجہ ہے کہ جب اسلام مملکت اور سلطنت کے دور میں داخل ہوا تو اصل زور (emphasis) ایمان کے بجائے اسلام پر' یقین کے بجائے اقرار اور شہادت پر اور باطن سے بڑھ کر ظاہر پر ہو گیا۔ نتیجۃً قرآنِ حکیم کے بھی منبع ایمان اور سرچشمہ یقین ہونے کی حیثیت مؤخر اور نگاہوں سے اوجھل ہوتی چلی گئی اور کتابِ قانون اور یکے از ادلۂ اربعہ (۷) ہونے کی حیثیت مقدّم اور مرکزِ توجّہ بنتی چلی گئی۔ پھر جیسے جیسے مملکت اور سلطنت

---

(۱) خاکہ (۲) ضروری (۳) دوسرے درجے والی (۴) اس پر مزید (۵) اچھے اخلاق (۶) خون کا بدلہ خون (۷) اصولِ شریعت چار ہیں: (الف) قرآن' ◀◀

کے تقاضے پھیلتے گئے اور قانون کی عمل داری وسیع ہوتی گئی، قرآن مجید تو ''چار میں کے ایک'' کی حیثیت میں پس منظر میں ''گم''(۱) ہوتا چلا گیا اور توجہات حدیث اور فقہ پر مرتکز ہو کر رہ گئیں۔ (۲) ستم بالائے ستم (۳) یہ کہ علم اور حکمت کے میدان میں جو خلا اس طرح پیدا ہوا اُسے پُر کرنے کے لیے مصر و یونان کی جانب سے فلسفہ و منطق کی آندھیاں آئیں۔ نتیجۃً پورا عالم اسلام ارسطو کی منطق اور نو افلاطونی تصوف کی آماج گاہ (۴) بن کر رہ گیا۔ یہاں تک کہ فلسفہ و اصولِ اخلاق کے لیے بھی مسلمانوں کو اغیار کے سامنے کاسۂ گدائی پیش کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا (۵)۔ رفتہ رفتہ صورت یہ ہو گئی کہ قرآن نہ منبع ایمان رہا نہ سرچشمہ یقین اور نہ مخزنِ اخلاق (۶) رہا نہ معدنِ حکمت (۷) بلکہ صرف ایک ایسی ''کتابِ مقدّس'' بن کر رہ گیا جس کے الفاظ یا تو حصولِ برکت اور ایصالِ ثواب کا ذریعہ بن سکتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک کے کام آسکتے ہیں۔ (۸) اس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ پیشین گوئی حرف بحرف

◄◄ (ب) سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ج) قیاس (د) اجماع۔ انہیں ''اَدِلّہ اَربعہ'' کہا جاتا ہے۔

(۱) حضرت اکبرؔ کا بہت پیارا شعر ہے:

صَوم ہے ایمان سے، ایمان غائب صوم گم　　قوم ہے قرآن سے، قرآن رخصت قوم گم!

(۲) چنانچہ اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ پر تو بے شمار تصانیف ملتی ہیں لیکن اصولِ تفسیر کے موضوع پر چودہ سو سال میں کل دو رسالے ملتے ہیں۔ ایک امام ابن تیمیہؒ کا رسالہ ''اصول تفسیر'' اور دوسرا امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی کا رسالہ ''الفوز الکبیر''۔

(۳) ظلم پر ظلم　(۴) میدانِ جنگ　(۵) اسی کا مرثیہ کہا مولانا رومؒ نے ان الفاظ میں ؎

چند خوانی حکمت یونانیاں　　حکمت ایمانیاں را ہم بخواں!

تُو یونانیوں کی حکمت کو پڑھتا ہے اسلام و ایمان کی حکمت کو بھی پڑھ۔

(۶) اخلاق کا خزانہ　(۷) دانائی کی کان　(۸) ایک تیسرا مصرف قرآن کا وہ ہے جو علامہ اقبالؒ نے اس شعر میں بیان کیا: ؎

بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست　　کہ از یٰسین او آساں بمیری

افسوس کہ (اے مسلمان) تجھے اس قرآن کی آیات سے اب اس کے سوا اور کوئی سروکار نہیں رہا کہ سورۂ یٰسین کے ذریعہ موت کو آسان کر

پوری ہوئی کہ ایک زمانہ وہ آئے گا کہ:

((لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُہٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْآنِ اِلَّا رَسْمُہٗ))

(مشکوٰۃ: کتاب العلم)

''اسلام میں سے سوائے اُس کے نام کے اور کچھ باقی نہ رہے گا اور قرآن میں سے سوائے صورتِ الفاظ کے اور کچھ نہ بچے گا۔''

بعینہٖ یہی معاملہ ''جہاد'' کے ساتھ بھی ہوا۔ جب اصل زور ایمان پر نہ رہا بلکہ اسلام پر ہو گیا تو جہاد بھی جو ایمانِ حقیقی کا رُکن رکین تھا' خود بخود نگاہوں سے اوجھل ہوتا چلا گیا اور ساری توجّہ ارکانِ اسلام پر مرتکز ہو گئی جن کی فہرست میں جہاد سرے سے شامل ہی نہیں ہے۔ گویا جہاد پر ظلم قرآن سے بھی بڑھ کر ہوا۔ اس لیے کہ قرآن تو خواہ ''چار میں کے ایک'' کی حیثیت ہی سے سہی بہرحال شریعت کے اصولِ اربعہ میں شامل تو ہے' جہاد تو نہ صرف یہ کہ اسلام کے ارکانِ خمسہ میں شامل نہیں بلکہ نظامِ فقہ میں بھی اس کی حیثیت فرضِ عین کی نہیں صرف فرضِ کفایہ کی ہے۔ اس پر مستزاد[1] یہ کہ جہاد کا تصور بھی مسخ ہو گیا اور اس شجرۂ طیبہ کی شاخوں کو جڑ اور تنے سے جدا کر کے ہر ایک کو مختلف رنگ دے دیا گیا۔ چنانچہ ایک طرف جہاد مع النفس کا رُخ اعمال اور معاملات کی منجدھار سے پرے ہی پرے اذکار و اوراد[2] اور نفسیاتی ریاضتوں اور ورزشوں کی راہِ یسیر (short cut) کے جانب موڑ دیا گیا اور دوسری طرف جہاد کو قتال کے ہم معنی قرار دے کر اس کا مقصد مملکت کی سرحدوں کے تحفظ و دفاع اور بس چلے تو توسیع کے سوا کچھ نہ رہا۔ رہا شرک و ظلم' کفر و فسق اور زُور[3] و منکر کی ہر صورت کے ساتھ مسلسل کشمکش اور تصادم اور حق و صداقت کے پرچار' نیکی اور راست بازی[4] کی ترویج[5] کلمۂ توحید کی نشر و اشاعت اور دین حق کے غلبہ و اقامت کے لیے پیہم جدّ و جُہد اور اس کے لیے سمع و طاعت کے اصول پر مبنی نظامِ جماعت کے قیام کا معاملہ ---- گویا فی الجملہ احقاقِ حق[6] اور ابطالِ باطل[7] کی منظم سعی جو ہر مؤمن کے لیے فرضِ عین کا درجہ رکھتی ہے' وہ یا تو سرے

---

(۱) اضافہ (۲) وِرد کی جمع (۳) فریب (۴) ایمان داری (۵) رواج دینا
(۶) حق کو ثابت کرنا (۷) باطل کو غلط قرار دینا

سے خارج از بحث ہوگئی یا زیادہ سے زیادہ ایک اضافی نیکی قرار پا کر رہ گئی اور اس سے بالا ہی بالا اور ورے ہی ورے [1] اسلام و ایمان اور تقویٰ و احسان کے جملہ مراحل طے پانے لگے۔

اللہ! اللہ! کوئی فرق سا فرق ہے اور تفاوت سا تفاوت! ع ''ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا!'' [2] کے مصداق کجا وہ کیفیت کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جذبۂ جہاد سے سرشار، بیک زبان، رجزیہ انداز [3] میں یہ شعر پڑھ رہے ہیں:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا

عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا [4]

(صحیح بخاری)

کجا یہ حال کہ چودھویں صدی ہجری کے ایک متنبی [5] اور اُس کی ذُرّیتِ صلبی و معنوی نے تو جہاد بالسیف [6] کو باقاعدہ منسوخ ہی قرار دے دیا۔ مسلمانوں کی عظیم اکثریت کا حال بھی عملاً کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ ع

''کہ رہوارِ یقین ما بصحرائے گماں گم شد!'' [7]

❁❁❁

---

(۱) اس سے دُور ہی دُور (۲) فاصلے کی دوری تو دیکھو کہ کہاں سے کہاں نکل گئے! (۳) جنگ میں پڑھے جانے والے اشعار کا انداز (۴) ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کر رکھی ہے اور اب یہ جہاد جاری رہے گا جب تک ہماری جان میں جان ہے۔

(۵) نبوت کا جھوٹا دعویدار (۶) تلوار سے جہاد (۷) ہمارے یقین کا گھوڑا گمان کے صحرا میں گم ہو گیا ہے!